بلند پایہ اخبار کا ایڈیٹر ہو سکتا ہے! لیکن ان کا شک بہت جلد دور ہو گیا، اسی زمانہ میں مولانا شبلی سے خط و کتابت شروع کی، پھر مولانا شبلی کی عراق سے واپسی پر بمبئی میں مولانا آزاد کی ان سے ملاقات ہوئی، اور مولانا شبلی پر آپ کے جوہر کھلے، تو "الندوہ" کی ادارت آپ کے سپرد کر دی، لیکن سات آٹھ مہینہ کے بعد یہ سلسلہ بند ہو گیا ——— اور ماہنامہ وکیل کی ایک سال تک ایڈیٹری کی، پھر کسی وجہ سے وہ وہاں سے کلکتہ چلے آئے، تو کلکتہ کے ہفت روزہ اخبار "دار السلطنت" کی ادارت آپ کو سونپ دی گئی، پھر اس کو بھی ترک کر کے اپنا مستقل پرچہ "الہلال" اور "البلاغ" نکالنا شروع کیا، جس نے تو پورے ملک کی کایا پلٹ کر رکھ دی، اور اس کے ذریعہ آپ نے اسلام کی وہ زریں خدمات انجام دیں، جن کو تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی ——— اور جو وقت کی عین ضرورت تھی، اس لئے کہ یہ وہ تشویشناک وقت تھا، جس سے ہندوستان کی تمام قوموں کا امن و سکون غارت ہو چکا تھا، خاص طور پر مسلمانوں کا دین و دنیا دونوں خطرہ میں تھے، اور باہمی اختلافات و انتشارات گروہ بندیاں، نئے نئے تخیلات، مسلم رہنماؤں سے بے اعتمادی، انگریزوں کی غلامی پر قناعت، اور اپنے مستقبل کی تعمیر کی طرف سے بے توجہی یہ سب زہر بن کر مسلم قوم کی ارتقائی بنیادوں کو کھوکھلی کر رہے تھے۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ درست ہے کہ بنیادیں بہت حد تک منہدم ہو چکی تھیں، علی گڑھ میں سر سید احمد کی تحریک کے زیر اثر ایک تعلیمی ادارے کی بنیاد ڈالی جا چکی تھی، جس کا مقصد برطانوی سامراج کی اعانت، انگریزی سرکار کے ساتھ وفاداری، اور اسلام کے عنوان پر مسلمانوں کے دین و ایمان، اور قرآن و مذہب سے کھلواڑ تھا۔ جس میں مسلمان بچے کثرت کے ساتھ داخل ہو رہے تھے، مولانا محمد علی جیسا زبردست انسان

بھی اب تک علی گڑھ تحریک کی موافقت کر رہا تھا۔ دوسری طرف اس علی گڑھ کالج کے تعلیمی اثر سے مسلمانوں کو ترقی کا خیال آیا، اور ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ کی بنیاد ڈالی گئی، مگر وہ بھی اپنے مقصد میں اس قدر ناکام اور بنیادی اعتبار سے اس قدر پست ثابت ہوا کہ مت پوچھئے، تیسری طرف روایتہً علماء و مشائخ کی خانقاہ نشینی و خلوت گزینی، اور قومی و ملی مسائل سے بے توجہی و لاپرواہی، کہ تھوڑی دیر کے لئے بھی وہ اپنی خانقاہوں اور مدرسوں کی چہار دیواری سے باہر جھانکنے کو تیار نہیں تھے، چاہے مسلمانوں کی گردنیں کٹ کر ڈھیر ہو رہی ہوں، ان کی لاشیں زمین پر تڑپ رہی ہوں، اور ان کے خون سے پوری زمین سرخ زار بنی ہوئی ہو ـــــ اس بحرانی وقت میں مولانا ابوالکلام آزاد اپنے ضمیر کی آواز کو قابو میں نہ رکھ سکے، ان کی فکر و شعور کو سخت ٹھیس پہونچی، اسلامی حمیت بھڑک اٹھی، اور انہوں نے ارادہ کیا کہ پوری سوئی ہوئی قوم کو بیدار کیا جائے، اس کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا جائے، اور ۱۹۱۲ء میں انہوں نے اخبار الہلال کا اجراء کیا، جس کا مقصد اسلام اور مسلمانوں کی صحیح نمائندگی، مذہب و ملت کی پائیدار خدمت میں مسلمانوں کے ذہنی و عملی جمود و تعطل پر ضرب کاری، اور مسلمانوں کی عظمت رفتہ کی بازیابی کی کوشش تھی، الہلال کے صفحات آج بھی جہاں موجود ہیں وہ گواہ ہیں، کہ اس نے مسلمانوں ہی کو نہیں، بلکہ پوری ہندوستانی قوم کو اس طرح جھنجھوڑا ہے، جس کی مثال ایک زمانے تک نہیں ملتی ہے، الہلال کے ذریعے وقت کے بڑے بڑے لوگوں کو بیداری ہوئی، اور انہوں نے وقت کے تقاضا کو سمجھا، یہاں پر حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کا وہ مخلصانہ اعتراف بہت اہم ہے، کہ الہلال نے ہم کو اپنا

سلسبیل الہیہ یاد دلا دیا، اسی نے مولانا محمد علی اور علامہ اقبال کو اسلام کی راہ دکھائی۔ اور وہی مولانا محمد علی جواب تک علی گڈھ کے بارے میں الہلال کی مخالفت کر رہے تھے، بعد میں خود الہلال کے مقلد ہو گئے، اور اسی کی موافقت میں اپنے مشہور زمانہ اخبار "کامریڈ" میں مضامین لکھے، ____ شاعر مشرق علامہ اقبال کی مثنوی "اسرار خودی" اور "رموز بے خودی" اسی الہلال کی معکوس صدائیں ہیں۔ یہ سب دلیلیں ہیں، ہفت روزہ الہلال کی کامیابی کی۔

۱۹۱۲ء میں جنگ بلقان، اور جنگ طرابلس چھڑی، جس کی وجہ سے مسلمانوں کو ترکوں کے ساتھ محبت واخوت پیدا ہوئی، ان جنگوں میں اسلامی ممالک کو مالی نقصانات کا سامنا کرنا پڑا، جسے مولانا آزاد کا آزاد ذہن وقلم کبھی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ اپنے قلم کی شعلہ نگاری سے مغربیت کے خرمن میں ایسی آگ لگائی، کہ حکومت بھڑک اٹھی، اور بالآخر ۱۹۱۵ء میں ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کی تلوار کی زد سے یہ الہلال ہمیشہ کے لئے ذبح ہو گیا، اور الہلال کی ضمانت ہمیشہ کے لئے ضبط کرلی گئی

مگر وہ مرد آزاد جو اپنے دل میں مسلمانوں کی خدمت، اور اسلام کی بلندی کا جذبہ لے کر پیدا ہوا تھا، وہ کیسے خاموش رہ سکتا تھا، اس کو اپنی آواز ملک بھر میں پہونچانی تھی، چاہے جس راستے سے ہو، چنانچہ اس نے الہلال پر پابندی کے بعد ایک دوسرے اخبار "البلاغ" کا اجراء کیا، در نسبتہً کچھ نرم انداز میں اپنی سرگرمیاں دکھانی شروع کیں، لیکن البلاغ کا تاب بھی حکومت نہ لاسکی۔ اور ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ نے اس کو بھی گھورنا شروع کیا، اور نتیجہ اس کا بھی وہی ہوا، جو الہلال کا ہوا تھا، یعنی اس کا گلا بھی ہمیشہ کے لئے گھونٹ دیا گیا۔ اور صرف اسی پر اکتفا نہیں

گیا۔ بلکہ مولانا آزاد کی اس جرأت شانہ، اور بڑھتی ہوئی آزاد خیالی، اور
دداری کی وجہ سے حکومت بنگال نے صوبہ میں آپ کے قیام کو مناسب خیال
کیا، اور صوبہ بدری کا حکم دے دیا۔ ۱۹۱۶ء ۲۳ مارچ کو آپ کو اطلاع
دی گئی کہ ایک ہفتے کے اندر آپ بنگال چھوڑ دیں، پہلے ہی سے یو، پی
جات، مدراس، بمبئی وغیرہ داخلہ پر پابندی لگ چکی تھی، اب غور و فکر کے بعد
رانچی زیادہ مناسب معلوم ہوا، اس لئے کہ وہاں جہالت کی گھٹا اور گھری
تھی، اسلام بیزاری، اور مردہ ضمیری اپنی انتہا کو پہونچی ہوئی تھی
مارچ ۳۰ مارچ ۱۹۱۶ء کو آپ رانچی تشریف لے گئے، اور وہاں آپ اصلاحی
فکری اور علمی امور میں مشغول ہو گئے، اور مسلمانوں کے احساسات اور جذبات
جھنجوڑنا شروع کیا، اور ان کے قلوب میں اسلام کی روح ڈالتے، اور ان
مذہب و ملت کے سرچشمہ حیوان تک پہونچا دینے کا ارادہ کیا۔ مگر ظالم انگریز
وہاں بھی مولانا کے پروگرام میں ارچنیں ڈالیں، اور رکاوٹیں پیدا کیں، یہاں
تک کہ آپ کو رانچی جیل میں نظر بند کر دیا گیا - اور آپ کا تمام مسلمانوں سے
تمام اقوام سے مقاطعہ اور سوشل بائیکاٹ کر دیا گیا، نظر بندی کا یہ سلسلہ
چار سال تک جاری رہا، چار سال کے بعد ۱۹۲۰ء میں آپ کو رہائی ملی، اس
کے بعد آپ کی عملی سیاست کا دور شروع ہوتا ہے، اس چار سال کی مدت
میں آپ نے علمی طور پر بھی خدمات انجام دی ہیں۔ اور مسلم قوم کو تعلیمی اعتبار
سے کہاں تک آگے پہونچایا ہے، وہ ان کے تذکرہ، ترجمان القرآن، اور دوسرے
تبلیغی و انقلابی کتابوں سے سمجھا جاسکتا ہے، اس کے علاوہ رانچی جیسی اندھیر
نگری میں، دین و ایمان کی ایسی مشعلیں جلائیں، وہ مدرسے اور تبلیغی و اصلاحی
ادارے قائم کئے، جن کی بدولت رانچی اب وہ رانچی نہ رہا، جو پہلے تھا، بلکہ اب

خود وہاں سے فیوض کی بارش ہونے لگی، اور علوم اسلامیہ کی تقسیم وہاں سے لگی۔ ــــ یہ فراموش نہ کیجئے کہ مولانا آزاد اب تک عملی طور پر سیاست میں داخل نہ ہوئے تھے، یہ پورا دور جس کا ذکر آپ پڑھ رہے ہیں، یہ آپ کی علمی وسیحائی کا دور ہے، اور اب تک آپ نے جتنے علمی ادبی، فکری، اور انقلابی کارنامے انجام دیئے وہ ایک عالم دین، ترجمان اسلام، مفکر وقت اور داعی انقلاب کی حیثیت سے انجام دیئے، ان میں سیاست کو دخیل قرار دیا جا سکتا، اگر کسی حد تک سیاست اس میں مان بھی لی جائے تو وہ ثانوی درجے میں ہے، جو ہر مفکر محقق اور انقلابی عالم کی دعوت میں ناگزیر ہے ــــ اگر آپ کو اس وقت کی مذہبیت، اصلاحی ذوق، خدا پر اعتماد و توکل، اور مذہب سے والہانہ لگاؤ کا اندازہ کرنا ہو تو خود مولانا کی زبانی نظربندی کا پورا نقشہ ملاحظہ کیجیے، تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

"۲۳ مارچ ۱۹۱۶ء کو گورنمنٹ بنگال نے ڈیفنس ایکٹ کی دفعہ ۳ کی بنا پر حکم دیا کہ ایک ہفتہ کے اندر حدود بنگال سے باہر چلا جاؤں، ان الحکم الا للّٰہ

رونا کہاں ہوا مجھے دل کھول کر نصیب
دو آنسوؤں میں نوح کا طوفان آگیا

معلوم نہیں دنیا کو چھوڑنا مشکل ہے یا آسان! لیکن الحمدللہ کہ ہم کو دامن جھاڑ کر اٹھ کھڑے ہونے میں کوئی مشکل پیش نہ آئی، ہر چند دل کو ٹٹولا، مگر کوئی علاقہ بھی دامن گیر نہ تھا، اور نہ ہی جمعیت خاطر و فراغ قلب نے ایک لمحہ کے لئے ساتھ چھوڑا"

غور کیجئے کہ اگر صرف سیاست پیش نظر ہوتی تو یہ طمانیت کی دولت

کو کہاں نصیب ہو پاتی ؟ آگے اپنے قلب کی حالت اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"اس بار ماہ رمضان المبارک کی برکات و نعائم کا ورود شروع ہوا اگرچہ نماز باجماعت کی کیفیت انجمن طراز، اور جماعت تراویح و سماع کی تلاوت کی لذت دل نواز سے اپنی عمر میں پہلی مرتبہ محروم رہا، اور اس لئے ابتدا کے دو چار دن گونہ انقباض و دل گرفتگی میں بسر ہوئے، لیکن اس کے بعد محرومی خلوت طرازوں کی کیفیتوں اور انجمن در خلوت کی خود رفتگیوں کا عالم کچھ اس طرح طاری ہوا، کہ دنیا جہان کی ساری صحبتوں اور انجمنوں سے دل بے پرواہ ہو گیا۔ علی الخصوص عشرۂ آخرہ کی شبہائے تمنا، اور روزہائے انتظار کی بخششوں اور کامرانیوں سے دل نے جو سعادتیں پائیں، اور چشم و گوش نے لطف دید و ذوق سماع کی جو جو دولتیں پائیں، نہ دنیا کی کوئی زبان ان کی ترجمانی کر سکتی ہے، نہ سامعہ استعداد سماع رکھتا ہے، البتہ حسرت رہی تو یہ رہی کہ کاش پوری زندگی کی وسعت ان دس راتوں میں آجاتی، اور ساری عمر اسی عالم میں بسر کر جاتے۔

شب وصال بہت کم ہے آسماں سے کہو
کہ جوڑ دے کوئی ٹکڑا شب جدائی کا "

کون کہہ سکتا ہے؟ کہ یہ کسی سیاسی انسان کی زبان ہے، خالص صوفی، عالم و رہبانیت بزرگ انسان کی زبان معلوم ہوتی ہے۔ جس کو انکشافات و مشاہدات ہو رہے ہوں، اسی لئے تو وہ تمنا کرتا ہے کہ کاش پوری زندگی ان دس راتوں میں سما جاتی۔ کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ کوئی محض سیاسی

انسان جیل میں رہنے کی ایسی تمنا کرے گا؟ قید و بند کی سختیوں، اور زنداں کی دیواروں سے اتنا پیار کرے گا؟ اور اس کی تلخ کامیوں کو اتنی لذت کش اور فرحت اندوزی کے ساتھ برداشت کرلے جائے گا؟ ہرگز نہیں، یہ بغیر اس کے ممکن نہیں کہ وہ اللہ کا برگزیدہ بندہ، عالم دین، متبحر مفکر، اور محقق شخص ہو، ——— مولانا آزاد کو اس شعر سے خراج عقیدت پیش کیجئے۔

ؔ تری نوا سے ہے بے پردہ زندگی کا ضمیر
کہ تیرے ساز کی فطرت نے کی ہے مضرابی،

مولانا کی کچھ اور بھی آوازیں سنتے چلئے جو آج تک دنیائے ادب میں گونج رہی ہیں، وہ اپنے دل کے سوز و گداز، جگر کی فروزی، روح کی خلش، سینہ کی تپش اور اپنے کارناموں کی طرف، مگر مبہم اور کرشنا درد انگیز اشارہ کرجاتے ہیں۔ سینہ کو تھام کر ملاحظہ کیجئے۔

• میرا پیکر بیدن ان کروڑوں بندگان خدا کی زندگیوں کا بے زبان ترجمان ہے، جو سکونِ حیات سے محرومی کا مرثیہ پڑھنے پر بھی قادر نہیں، ——— میری نیلگوں آنکھوں میں فلک کج رفتار کی وہ سب گردشیں سمٹ کر آگئی ہیں۔ جن سے مجھے عمر بھر کھیلنا تھا، میری نظریں مشاہدہ قدرت کی زینت ہے، اور ان کی دوربین قوت نگاہ ملنے والے ہر انسان کی کتاب عارض ہیں وہ حقیقتیں تلاش کرلیتی ہیں جن سے وہ خود بھی واقف نہیں ہے، ——— میرے رخساروں کی جھریاں تقدیر عالم کی پیشانی پر ابھرتی ہوئی شکنیں ہیں، میرے ماتھے پر کبھی کبھی آپ کو بساطِ شبنم کا دھوکہ ہوتا ہے، حالانکہ وہ سب کچھ مری حرارت قلب و جگر، اور سوزشِ نفس کا ہی ایک

پھر تو ہے، پھر تو بھی وہ جسے لالہ زاروں کی آتشیں گل کا نکھار کہا جا سکتا ہے، یہ میری انگلیاں جنہیں ارباب کا ختات کے ہر پردہ کو
چھونے کی عادت ہے، بار بار زندگی نواز تاروں سے چند گیت تراشتی ہیں، لوگ انہیں سنتے ہیں، سر دھنتے ہیں لیکن آہ! ساتھ ساتھ ان کے تاثر کو بھولتے بھی جاتے ہیں۔"

کیا کسی خالص سیاسی انسان کو بھی اپنی قوم کی غفلتوں کا اتنا غم ہو گا! جس کی تپش سے اس کے قلب وجگر، روح ونفس، سب گرم ہو جائیں گے، کبھی نہیں ـــــ مولانا آزاد کے، اس قسم کے سیکڑوں بیانات ہیں جو صرف ایک متبحر عالم دین ہی کے حلق کی آواز اور اس کے دل کا درد ہو سکتے ہیں ـــــ ایک اور بیان سنیے، کہ کس کرب والم کے ساتھ تڑپ تڑپ کر انہیں پکار رہے ہیں۔

"تمہارے رہبروں اور پیشواؤں کی رائیں اور صدائیں کتنی ہی مضطرب اور متزلزل رہی ہوں، لیکن میری طرف تو دیکھو! میں ایک انسان تم میں ہوں، جو دس سال سے صرف ایک ہی صدائے دعوت بلند کر رہا ہے، اور ایک ہی بات کی جانب تڑپ تڑپ کر پکار رہا ہے، اور لوٹ لوٹ کر بلا رہا ہے، ولکن لا تحبون الناصحین! افسوس کہ تم حقیقی اور سچی بات کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے، تم نمائش کے پجاری، شور وغل و ہنگامہ کے بندے، اور وقتی جذبات و اظہار ہیجان کی مخلوق ہو، تم میں امتیاز ہے نہ منظر، نہ جانتے ہو نہ پہچانتے ہو، تم جس قدر تیزی کے ساتھ دوڑ کر آتے ہو اتنی ہی تیزی کے ساتھ فرار بھی کر جاتے ہو، تمہارے پاس دماغ ہے نہ دل ہے"